تحقیق وتنقید

اسلامی ادبیات میں خضر کا تصوّر

(ایک تحقیقی جائزہ)

ڈاکٹر غلام قادر لون

تصوف کے ساتھ ساتھ عام اسلامی ادبیات میں حضرت خضر کا مسئلہ ایک دلچسپ مسئلہ ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اس پر ایک 'تحقیقی جائزہ' پیش خدمت ہے۔ حضرت خضر کے نام و نسب کے بارے میں علماء سے دس سے زائد اقوال منقول ہیں[1] بعض علماء کا قول ہے کہ آپ حضرت آدم کے چوتھے فرزند تھے[2] ابو حاتم سجستانی (المتوفی ۲۵۰ھ/۸۶۴ء) کا بیان ہے کہ آپ کا نام خضرون بن قابیل بن آدمؑ ہے[3] بعض دوسرے علماء کے نزدیک آپ حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لانے والے ایک شخص کی اولاد ہیں، آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر بابل سے ہجرت کی تھی اور آپ کا نام بلیا بن ملکان بن فالغ بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے[4]۔ وہب بن منبہ (۳۴-۱۱۴ھ/۶۵۴-۷۳۲ء) سے منسوب ایک قول میں آپ کا نام ایلیا بن

---

[1] ابن حجر عسقلانی۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ، تحقیق علی محمد البجاوی، القاہرہ ۱۳۸۳ھ/۱۹۷۰ء ۲: ۲۸۶ - ۲۸۷ ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ، مکتبہ المعارف بیروت الطبعۃ الثانیہ ۱۹۷۷ء ۱: ۳۲۶۔ شیخ حسین ابن محمد بن الحسن الدیار البکری۔ تاریخ الخمیس، مصر الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۲ھ ۱: ۱۲۰

[2] البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، ابن کثیر۔ قصص الانبیاء تحقیق الدکتور مصطفیٰ عبدالواحد، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۸ء ۲: ۵۱۸۔

[3] ابوحاتم سہل السجستانی۔ کتاب المعمرین مرتبہ اگناز گولڈ زیہر۔ بریل لیڈن ۱۸۹۹ء ص ۱، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱، تاریخ الخمیس اور بعض دوسری کتابوں میں بلیا کی جگہ بلیان بھی آیا ہے۔

[4] ابوجعفر محمد بن جریر الطبری۔ تاریخ الطبری، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء ۱: ۲۲۰ - ابن اثیر۔ الکامل فی التاریخ۔ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء ۱: ۱۶۰۔ البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶۔ یہ قول وہب بن منبہ کا ہے امام نووی نے ملکان کے علاوہ کلمان بھی دیا ہے۔ دیکھئے ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف الدین النووی۔ تہذیب الاسماء واللغات دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان (بدون سن طباعت)

عامیل بن شماالخسین بن ارمابن علقمابن عیصوبن اسحاق بن ابراہیم بتایا گیا ہے[۱] ایک اور قول میں آپ کا نام ارمیابن حلقیا آیا ہے حلقیا آیا ہے حلقیا حضرت ہارون کی اولاد میں سے تھے[۲] مراۃ الاسرار کے مصنف کے بیان کے مطابق آپ کا نام خضر بن ملکان بن عیان بن طیان بن سمعان بن سام بن نوح ہے[۳]۔ مولانا یعقوب چرخی (المتوفی ۸۵۱ھ/۱۴۴۷ء) کے بقول آپ کا نام ملکان بن بلیان بن سمعان بن سام بن نوح تھے[۴]۔ علاوہ ازیں حضرت خضر کے نام ونسب کے بارے میں علماء سے دوسرے اقوال بھی منقول ہیں مگر ان میں سے اکثر اقوال پر جرح کی گئی ہے[۵]

اہل تورات اور کتب سابقہ کے مطابق حضرت خضر کا نام خضر بن ملکان بن قانع بن عابور بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے۔ اہل کتاب ہی کے ایک دوسرے قول میں آپ کا نام خضرون بن عمائیل بن النصر بن العیص بن اسحاق بن ابراہیم نقل کیا گیا ہے[۶]

صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ آپ کا اصلی نام بلیا بن ملکان بن فانع بن شالخ بن عامر ارفخشد بن سام بن نوح ہے[۷]۔ یہ قول وہب بن منبہ کا ہے جو کتب سابقہ کے ثقہ عالم تھے۔ اسی قول کو ابن قتیبہ الدینوری (۲۱۳ – ۲۷۶ھ/۸۲۸ – ۸۸۹ء) اور امام نووی (۶۳۱ – ۶۷۶ھ/۱۲۳۴ – ۱۲۷۷ء) نے اختیار کیا ہے[۸] قدرے تغیر کے ساتھ تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں اس قول کو بکثرت نقل کیا گیا ہے۔

۱۔ شیخ کمال الدین الدمیری۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ مطبعۃ السعادہ مصر ۱۳۳۰ھ ۱: ۴۸۳

۲۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۳، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، ابن حجر عسقلانی۔ الزہر النضر فی حال الخضر۔ تقدیم وتحقیق وتخریج نصوص صلاح الدین مقبول احمد، مجمع البحوث الاسلامیہ نیو دہلی (الہند) الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء ص ۶۱

۳۔ عبدالرحمن چشتی۔ مراۃ الاسرار عکسی مخطوطہ کتب خانہ شبلی نعمانی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱: ۳۵

۴۔ مولانا یعقوب چرخی۔ رسالۂ ابدالیہ، تصحیح وتعلیق وپیش گفتار از محمد نذیر رانجھا، مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء فصل ۱۰ ص ۳۰

۵۔ الاصابہ ۲: ۲۸۶ – ۲۸۷، الزہر النضر فی حال الخضر ص ص ۵۸ – ۶۳

۶۔ ابوالحسن علی بن الحسین المسعودی۔ مروج الذہب ومعادن الجواہر، المطبعۃ الازہریہ المصریہ الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۰۳ھ ۱: ۲۰ – ۲۱

۷۔ حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۳، ایک قول میں ایلیا بھی منقول ہے۔ دیکھئے، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶

۸۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ الکاتب الدینوری۔ کتاب المعارف مرتبہ فرڈیننڈ وستنفلڈ گوتنجن ۱۸۵۰ء ص ۲۱ تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۶

امام نووی کا بیان ہے کہ آپ کی کنیت ابو العباس ہے[1] اور اس پر سب کا اتفاق ہے[2] مورخین اور صوفیہ نے ان کی کنیت یہی بتائی ہے[3]

اکثر مورخین کے نزدیک خضر آپ کا لقب ہے[4] صحیح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ آپ کا نام اس وجہ سے خضر پڑ گیا کہ آپ سوکھی زمین پر بیٹھ گئے تو وہ سرسبز ہو گئی[5] ایک دوسرے قول میں بتایا گیا ہے کہ آپ جہاں قیام کرتے ہیں وہاں سرسبز گھاس اگتی ہے یا وہاں کی خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے، ایک اور قول میں خضر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ جہاں نماز پڑھتے ہیں وہاں کے اردگرد کی زمین سبزہ زار بن جاتی ہے۔ ان میں پہلا قول صحیح ہے کیونکہ یہ ارشاد نبوی ہے اور علماء کی اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے[6] حضرت موسیٰؑ نے آپ کو سبز بچھونے پر کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے دیکھا تھا[7]

حضرت خضر کے والدین میں سے ایک فارسی اور دوسرے رومی ہیں[8] حضرت سعید بن مسیب (المتوفی ۹۴ھ) کا بیان ہے کہ حضرت خضر کی ماں رومی اور باپ فارسی ہیں[9] علماء کی اکثریت کا خیال ہے کہ آپ فارس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک بیان کے مطابق آپ فارس میں شیراز سے دو فرسخ دور ایک مقام پر پیدا ہوئے ہیں[10]

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۶، یہی قول ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے۔ دیکھئے کتاب المعارف ص ۲۱

[2] الاصابہ ۲: ۲۸۸، الزہر النضر فی حال الخضر ص ۶۵

[3] البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷۔ تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۴، مراۃ الاسرار ۱: ۳۵

[4] تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۶، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۴

[5] امام بخاری۔ صحیح البخاری، دار احیاء التراث العربی القاہرہ ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء، کتاب الانبیاء، باب حدیث الخضر مع موسیٰ، الجزء الرابع ص ۱۹۰

[6] البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۶، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۴، الاصابہ ۲: ۲۸۷، مراۃ الاسرار ۱: ۳۵۔

[7] البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۷، قصص الانبیاء ۲: ۵۲۲   [8] الاصابہ ۲: ۲۸۷

[9] الاصابہ ۲: ۲۸۷، قصص الانبیاء ۲: ۵۲۰   [10] مراۃ الاسرار ۱: ۳۵

بعض علما کی رائے ہے کہ حضرت خضر مشہور پیغمبر حضرت الیاس کے بھائی ہیں۔ ان کے باپ بادشاہ تھے۔ امور سلطنت سے دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے بادشاہ نے حضرت خضر کی دو شادیاں کیں لیکن وہ گھر سے بھاگ گئے[1] ایک دوسرے بیان کے مطابق حضرت خضر کی پرورش بیابان میں ہوئی ہے۔ آپ قریبی بستی کے ایک شخص کے ریوڑ کی بکری کا دودھ پیتے تھے۔ ریوڑ کے مالک نے ان کی پرورش کی۔ جب جوان ہوئے تو ان کے باپ کو جو بادشاہ تھے صحف ابراہیم کی کتابت کے لیے کاتبوں کی ضرورت پڑی۔ حضرت خضر بھی گئے۔ کچھ وقت بعد بادشاہ نے انھیں پہچان لیا[2]

تاریخی لحاظ سے حضرت خضر کے زمانہ کا تعین کرنا قدرے دشوار ہے۔ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر ایران کے بادشاہ افریدون اور ذوالقرنین کے ہم عصر رہے ہیں[3] حضرت خضر کے ساتھ اکثر ذوالقرنین یا اسکندر کا نام آتا ہے۔ چونکہ عام طور پر اسکندر ہی کو ذوالقرنین سمجھا جاتا ہے اس لیے حضرت خضر کے ساتھ اسکندر کا نام جوڑ دیا گیا حالانکہ مورخین کا بیان ہے کہ ذوالقرنین دو گذرے ہیں۔ ایک کو ذوالقرنین اکبر اور دوسرے کو ذوالقرنین اصغر کہتے ہیں۔ قرآن میں جس ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے وہ ذوالقرنین اکبر تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے[4] حضرت ابراہیم نے چاہ سبع کھودا تو اردن کی ایک جماعت نے زمین کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابراہیم ذوالقرنین کے پاس مقدمہ لے گئے۔ بادشاہ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا[5] چونکہ حضرت ابراہیم کے معاصر بادشاہ ایران کے حکمراں فریدون بن اثغیان ہی ہیں اس لیے بعض مورخین کی رائے یہ ہے کہ ذوالقرنین اکبر فریدون بن اثغیان ہی ہیں[6] تاریخ الخمیس کے مطابق ذوالقرنین سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ ان سے

---

[1] البدایہ والنہایہ ۱: ۳۳۰۔ قصص الانبیاء ۲: ۵۲۰

[2] حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱: ۸۴

[3] تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰، تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱

[4] تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰، تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱

[5] ابو اسحاق احمد بن ابراہیم الثعلبی۔ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس، اسکندریہ ۱۲۸۲ھ ص ۲۴۰

[6] تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰

حضرت ابراہیم کی ملاقات ہوئی ہے۔ اسی ذوالقرنین نے یاجوج وماجوج کے مقابلہ میں دیوار کھڑی کی اور اسکندریہ کا شہر بسایا۔ حضرت ابن عباس کے بقول اس کا نام عبداللہ بن ضحاک تھا[۱] تاریخ الخمیس ہی میں سکندر یونانی (۳۵۶ - ۳۲۴ ق م) کا ذکر ذوالقرنین اصغر کی حیثیت سے کیا گیا ہے[۲] اس لیے سکندر وہ ذوالقرنین نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

عام مورخین اور علما، کی رائے ہے کہ حضرت خضر ذوالقرنین کے خالہ زاد بھائی ہیں[۳] اور وہ ان کے وزیر اور فوج میں اگلے دستہ کے سردار تھے[۴] یہیں سے آب حیات کی روایت جنم لیتی ہے جس نے حضرت خضر ہی کو نہیں پورے معاملہ کو بقائے دوام عطا کیا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق سے مروی ایک روایت کے مطابق ذوالقرنین کو ایک فرشتہ رفائیل سے ظلمات میں واقع آب حیات کے چشمے کے بارے میں پتہ چلا۔ اس نے علما، کو جمع کر کے ان سے ظلمات کے بارے میں استفسار کیا۔ ایک عالم نے بتایا کہ میں نے حضرت آدم کی وصیت میں پڑھا ہے کہ ظلمات سورج کے طلوع ہونے کی جگہ واقع ہے۔ ذوالقرنین فوج لے کر جگہ کی تلاش میں نکلا۔ بارہ سال سفر کرنے کے بعد وہ ایک تاریک مقام کے کنارے پہنچا۔ علما، اور فوج نے اسے آگے جانے سے منع کیا مگر اس نے فوج میں چھ ہزار آدمیوں کو منتخب کر کے آگے بڑھنے کا قصد کیا۔ حضرت خضر کو دو ہزار آدمیوں پر مشتمل مقدمہ کا سردار بنا کر آگے کیا۔ حضرت خضر ایک وادی تک پہنچ گئے۔ وادی کے بالائی حصے پر پہنچ کر انھوں نے اپنے ساتھیوں کو روکا اور تن تنہا خود آگے بڑھے۔ چلتے چلتے ایک چشمہ کے کنارے پہنچے جس کا پانی سفید اور شیریں تھا۔ انھوں نے پانی پیا اور وضو اور غسل کر کے چلے آئے؛ ذوالقرنین وہاں پہنچا تو اسے وہ چشمہ نہ ملا[۵] بعض روایات کے مطابق ذوالقرنین کو آب حیات کے متعلق معلومات ایک کتاب یا حضرت آدم کے

۱۔ تاریخ الخمیس ۱ : ۱۱۵

۲۔ تاریخ الخمیس ۱ : ۱۱۵

۳۔ تاریخ الخمیس ۱ : ۱۱۴، مراۃ الاسرار ۱ : ۳۶

۴۔ تاریخ الخمیس ۱ : ۱۱۴، ۱۱۵

۵۔ الاصابہ ۲ : ۲۹۱ - ۲۹۳، البدایہ والنہایہ ۲ : ۱۰۷، قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ص ۳۹۸ - ۴۰۰۔

وصیت نامہ سے معلوم ہوئی تھیں[۱]۔

چشمۂ حیوان، آبِ حیات اور حیات جاوداں کا تصور ادبیات مشرق و مغرب کا دلچسپ موضوع رہا ہے، سریانی، کلدانی، یونانی، عبرانی، عربی، فارسی، اردو، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی اور دوسری زبانوں میں کسی نہ کسی شکل میں آبِ حیات کا تصور موجود ہے۔ اسلام سے پہلے اہلِ بابل، یہودی اور یونانی خاص طور پر ایسی روایات سے واقف رہے ہیں جن میں آبِ حیات یا آبِ بقا کا بیان ملتا ہے۔

بابل، مصر، یونان اور ایران کی قدیم تاریخ کے واقعات اکثر مشترک ہیں۔ اس لیے کسی قوم کی تاریخ بیان کرتے وقت دوسری قوموں کا ذکر ناگزیر ہوتا ہے۔ فارسی کے مشہور شاعر فردوسی (۳۲۰ — ۴۱۱ھ / ۹۳۲ — ۱۰۲۰ء) نے جب اہل ایران کی تاریخ "شاہ نامہ" میں نظم کی تو سکندر کی فتوحات کا بھی بالتفصیل ذکر کیا۔ سکندر کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مصنف نے شاہ نامہ میں "رفتن اسکندر بتاریکی بجستن آبِ حیات" کے عنوان کے تحت سکندر کے ناکام و نامراد سفرِ ظلمات کی داستان بھی بیان کی ہے[۲]۔ ان کے بعد مشہور صوفی شاعر نظامی گنجوی (۵۳۳ — ۵۹۶ھ / ۱۱۳۸ — ۱۱۹۹ء) نے اسرائیلی، یونانی اور ایرانی روایات کو ملا کر یونان کے عظیم الشان فاتح کی منظوم تاریخ "سکندر نامہ" کے نام سے نظم کی۔ فردوسی کی طرح نظامی گنجوی نے بھی سکندر کو ذوالقرنین سمجھا ہے۔ چنانچہ انھوں نے سکندر نامہ میں سکندر کو ایک دین دار، صاحبِ فہم و فراست، عالم و فاضل اور حلیم و بردبار بادشاہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ سکندر نامہ برّی میں انھوں نے "رفتن سکندر بتلاش آبِ حیات" کے عنوان کے تحت سکندر کے سفرِ ظلمات کی داستان تفصیل سے بیان کی ہے[۳]۔ فردوسی اور نظامی دونوں نے بیان کیا ہے کہ سکندر نے حضرت خضر کو فوج کے مقدمہ کا سردار بنایا۔ حضرت خضر چشمۂ حیوان پر پہنچے اور

---

[۱] تاریخ الخمیس ۱: ۱۱۴، قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۴۰۱، ابو حاتم سجستانی کا بیان ہے کہ حضرت خضر کو ابدی زندگی اس عمل کی وجہ سے ملی کہ انھوں نے طوفان نوح کے بعد حضرت آدم کی نعش دفن کی تھی۔ دیکھیے کتاب المعمرین ص ۱، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۶، قصص الانبیاء ۲: ۵۱۸ — ۵۱۹

[۲] حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی۔ شاہ نامہ مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۶ھ ۳: ۷۳

[۳] نظامی گنجوی۔ سکندر نامہ برّی مطبع منشی گلاب سنگھ (بدون سن طباعت) ص ص ۵۱۳ - ۵۳۸۔

انھوں نے پانی پی لیا جس سے ان کو حیات جاوداں ملی۔ سکندر چشمہ تک نہ پہنچا اور آبِ حیات سے محروم رہا[1]

شاہ نامہ یا سکندر نامہ میں آبِ حیات کا بیان محض فردوسی یا نظامی کی خیال آفرینی نہیں ہے بلکہ یونانی زبان کے ایک گم نام مصنف نے سکندر کی داستان ۳۰۰ ق م میں لکھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سکندر ابدی زندگی پانے کے لیے آبِ حیات کی تلاش میں نکلا اس کے ساتھ اس کا باورچی Andreas بھی تھا۔ باورچی دورانِ سفر ایک چشمہ پر پہنچ گیا اور کھانا بنانے لگا۔ اس نے اپنے ساتھ نمک دی ہوئی ایک خشک مچھلی بھی لی تھی، وہ مچھلی کو پانی سے صاف کرنے لگا تو وہ زندہ ہو گئی۔ باورچی نے اس چشمہ سے پانی پی لیا تو اس نے بھی ہمیشہ کے لیے زندگی پائی۔ سکندر نے چشمہ کو بہت تلاش کیا مگر اسے چشمہ نہ ملا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ باورچی نے اس چشمے کا پانی پی لیا ہے تو اس کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ اس نے باورچی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اس کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔ آخر میں اس نے باورچی کی گردن میں پتھر باندھ کر دریا میں پھینک دیا جہاں اس نے سمندر دیوتا Sea Demon کی صورت اختیار کی[2] نظامی نے لکھا ہے کہ "رومیان کہن" کی اس داستان میں حضرت خضر کے ساتھ حضرت الیاس کا نام بھی آیا ہے اور انھوں نے بھی حضرت خضر کے ساتھ پانی پی کر ابدی زندگی پائی ہے[3] سکندر نامہ میں "رومیان کہن" کی ترکیب سے یونانیوں کے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

حیات جاوداں کا تصور اہلِ بابل کے یہاں بھی موجود رہا ہے۔ کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے کتبات سے طوفانِ نوح کے بارے میں جو نئی معلومات سامنے آئی ہیں ان میں بارہ الواح پر مشتمل ایک لمبی داستان بھی ہے جس کا ہیرو ارک کا بادشاہ جل جمش (Gilgames) ہے ان قدیم کتبات میں درج بعض بیانات کا زمانہ تقریباً ۲۰۰۰

---

[1] شاہ نامہ ۳: ۷۳، سکندر نامہ ص ص ۵۱۳ - ۵۳۸

[2] Encyclopaedia of Religion and Ethics, 1914, art. "Khidr" By I. Friedlaender, vol. VIII P.P. 693 - 694

[3] سکندر نامہ بری ص ص ۵۲۶ - ۵۲۸

سے ۱۵۰۰ اق م بتایا جاتا ہے[1] طویل داستان میں جل جمش طوفان عالمگیر (طوفان نوح کے ہیرو اتنا پشتیم (حضرت نوح کی طرف اشارہ ہے) کے پاس جاتا ہے تاکہ وہ اس بزرگ اور عقل کل سے جو اطاعت الٰہی کی بنا پر ابدی زندگی پا چکا ہے اپنے مردہ دوست ابانی کو زندہ کرنے کے لیے کوئی رہنمائی حاصل کر سکے۔ اتنا پشتیم کو تلاش کرنے کے لیے جل جمش دریاؤں کے دہانے کی کھوج لگانے کے لیے سفر کرتا ہے۔ دشوار گزار راستہ طے کرنے کے بعد وہ مشو کے تاریک پہاڑ (کوہ ظلمات) تک پہنچ جاتا ہے۔ پہاڑ کے دوسری طرف اس نے دیوی سیتو کو پردہ اوڑھے ہوئے سمندر کے تخت (ممکن ہے جزیرۃ البحر مراد ہو) پر براجمان پاتا ہے جو اتنا پشتیم تک رسائی کے لیے جل جمش کو موت کا سمندر پار کرنے کے لیے ہمسایہ ملاح سے مدد لینے کی ہدایت کرتی ہے۔ اتنا پشتیم کے پاس پہنچ کر جل جمش کو وہ طوفان کی تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے ہیں۔ اتنا پشتیم اسے ایک جڑی کا پتہ دیتے ہیں جس کو کھا کر انسان کی جوانی لوٹ آتی ہے اور وہ ہمیشہ کے لیے زندہ رہتا ہے جل جمش واپس ہوتا ہے تو ملاح اسے پانی سے نہلواتا ہے جہاں اسے جڑی مل جاتی ہے لیکن راستے ہی میں ایک سانپ اس سے جڑی چھین لیتا ہے۔ مایوس ہو کر وہ لوٹنے کے بعد شہر ارک کی دیواروں کی تعمیر کا کام دوبارہ شروع کرتا ہے[2] ماہرین اثریات وحفریات کے دریافت کردہ کتبوں سے طوفان نوح کے بارے میں دلچسپ معلومات ملی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ طوفان نوح ایک تاریخی صداقت ہے۔ جل جمش کی نظم میں واقعہ کی جو تصویر پیش کی گئی وہ قرآن اور احادیث سے حیرت انگیز مماثلت رکھتی ہے۔ مثلاً اس میں کہا گیا ہے کہ دیوتا علاقہ میں پھیلی ہوئی برائیوں سے ناراض ہوئے اور انھوں نے آبادی

---

[1] Encyclopaedia of Religion and Ethics, London 1930, art; "Babyloucians and Assyrians" By H. Zimmern vol. II. P. 314

[2] Encyclopaidia of Religion and Ethics New york 1913 art; Heroes and Hero-gods (Babyloniam) By T.G. Pinches Vol VI P. 643

Encyclopaidia of Religion and Ethics New york 1930 art. Babylonians and assyrians by H. Zimmern vol. II pp 315.316

کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا، تباہی سے پہلے انھوں نے زیوسدرو نامی اطاعت گزار شخص (اتناپشتیم) کو ایک کشتی بنانے کا حکم دیا اس نے کشتی تیار کی اور مال واسباب اور اپنے آدمیوں اور جانوروں کو اس پر سوار کر لیا۔ اس کے بعد چھ دنوں اور چھ راتوں تک مسلسل بارش ہوتی رہی۔ ساری زمین غرقاب ہوگئی۔ کشتی کوہ نصیریہ سے جالگی۔ ساتویں روز بارش تھم گئی تو اتناپشتیم نے کشتی سے ایک فاختہ اڑائی جو واپس آگئی جس سے اندازہ ہوا کہ پانی ابھی نہیں اترا ہے اس کے بعد کوے کو اڑایا گیا وہ واپس نہیں آیا[۱] طوفان کے بارے میں اس قسم کی تفصیلات ہماری روایات سے بہت حد تک ملتی جلتی ہیں۔ اگرچہ دونوں میں بعض اختلافات بھی موجود ہیں۔

بنی اسرائیل کے یہاں بھی ابدی زندگی کا تصور پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے یہاں ایلیاہ نبی جنھیں مسلمان حضرت الیاس علیہ السلام کہتے ہیں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ زندہ ہیں ایلیاہ نبی یا حضرت الیاس بنی اسرائیل کے بادشاہ اخاب بن عمری جو بائیس برس بنی اسرائیل کا حکمران رہا ہے۔ کے زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اخاب کا زمانہ قریبًا ۸۷۵ ق م تا ۸۵۳ ق م مانا جاتا ہے[۲] اس کے زمانہ میں بنی اسرائیل میں بعل کی پرستش شروع ہوگئی۔ ان کی ہدایت کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے جلعاد کے ایک باشندہ ایلیا تشبی کو مبعوث کیا[۳] ایلیا نے بعل پرستی کے خلاف تبلیغ کی۔ کوہ کرمل پر انھوں نے بنی اسرائیل کے لوگوں اور بعل دیوتا کے ساڑھے چار سو اور یسیرت مندر کے چار سو کاہنوں کو جمع کروا کر مخاطب کیا" تم کب تک دو خیالوں میں ڈانوا ڈول رہوگے اگر خداوند ہی خدا ہے تو اس کے پیرو ہو جاؤ اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو[۴] تورات میں حضرت الیاس کے اس بیان کو قرآن نے مؤثر اور بلیغ انداز میں

---

[۱] موریس بوکائیے۔ بائبل قرآن اور سائنس اردو ترجمہ ازثناء الحق صدیقی، دہلی اشاعت سوم ۱۹۸۸ء حواشی صفحات ۲۸۵ تا ۲۸۷ میں فاضل مترجم نے سر لیونارڈ وولے کی کتاب "Excavations at Ur" سے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ تاہم اردو میں ابھی تک حفریاتی شہادتوں سے استشہاد کرنے کا ذوق نایاب نہ سہی کمیاب ضرور ہے۔ موجودہ دور میں اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ مذہب کی ترجمانی میں جملہ دستیاب شواہد کو کام میں لا کر اپنی بات کو باوزن بنایا جائے۔

[۲] Encyclopaedia Biblica- A dictionary of Bible, Edited by. T.K. Cheyne and J. Sutherland Black London 1914 P.1270

[۳] تورات کتاب سلاطین ۱ باب ۱۶ ۲۹-۳۴، باب ۱۷: ۱   [۴] تورات۔ کتاب سلاطین ۱ باب ۱۸: ۲۱

یوں ادا کیا ہے:

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○	جبکہ انھوں نے (الیاسؑ) اپنی قوم سے
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ	فرمایا: کیا تم نہیں ڈرتے تم بعل کو پوجتے ہو اور اس کو
الْخَالِقِيْنَ ○ اللّٰهَ رَبَّكُمْ	چھوڑ بیٹھے ہو جو سب سے بڑھ کر بنانے والا ہے
وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○	اس اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے پچھلے
(الصّٰفّٰت: ۱۲۴-۱۲۵)	باپ داداؤں کا رب ہے۔

بادشاہ اخاب اور ایلیاہ نبی کے درمیان ہوئے مکالمے اور بعل پرستی کے خلاف ان کی تبلیغ کا حال بنی اسرائیل کی تاریخ میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے[1] ایلیاہ نبی کے بارے میں یہودیوں میں ایسی روایات ملتی ہیں جو ہمارے یہاں حضرت خضر یا حضرت الیاس کے بارے میں مشہور ہیں[2] یہی وجہ ہے کہ فریڈلینڈر (Friedlaender) نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے خضر کا تصور یہودیوں سے اخذ کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودیوں کے معتقدات اور مسلمانوں کی روایات میں فرق ہے۔ بابل اور سیمریائی کتبات سے بھی مسلمانوں کی روایات کی تائید ہوتی ہے۔

حیات ابدی کا تصور اگرچہ چاروں قوموں میں موجود ہے لیکن آب حیات کی روایت صرف یونانیوں اور مسلمانوں کے یہاں ملتی ہے۔ اہل بابل میں اگرچہ سمندر اور پانی کا ذکر ملتا ہے مگر حیات ابدی کا سبب اس جڑی کو بتایا گیا ہے جو جلجمش کو پانی میں ملی تھی۔

قرآن حکیم میں حضرت خضر کی ابدی زندگی کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، البتہ ایک صالح بندے کے بارے میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک مخصوص علم سے نوازا ہے چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس جانے کا حکم ملا۔ تو حضرت موسیٰؑ نے ان کے پاس جاکر اس علم میں سے کچھ حصہ سکھلانے کی درخواست کی انھوں نے جواب

---

[1] Flavius Josephus, Antiquities of Jews, (Translated By William Whiston) London Book VIII Chap XIII PP. 243-247

[2] The Jewish Encyclopaedia, New York London 1916. art "Elijah" vol V. 122-124.

دیا کہ آپ سے میرے افعال پر صبر نہ ہو سکے گا۔ حضرت موسیٰ نے ساتھ نباہنے کا عزم ظاہر کیا لیکن جب اس صالح بندے نے اسی علم کی رہنمائی میں غریب ملاح کی سالم کشتی کا تختہ نکالا، ایک معصوم جان کو قتل کیا اور بغیر اجرت کے دیوار کھڑی کر دی تو حضرت موسیٰ ان تینوں چیزوں کی توجیہ نہ کر پائے اور اعتراض کیا۔ آخر میں ان تینوں چیزوں کی توجیہات بتا کر صالح بندے نے آپ کو رخصت کر دیا[1] قرآن حکیم میں اس صالح بندے کا نام مذکور نہیں ہے مگر احادیث صحیحہ میں ان کا نام خضر آیا ہے، حضرت خضر اور حضرت موسیٰ کی ملاقات کی تفصیلات صحیح احادیث میں منقول ہیں[2]

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت، رسالت، ولایت اور حیات ہونے کے بارے میں علماء اسلام کے یہاں اختلاف موجود ہے۔ صوفیاء کے ایک طبقہ کا خیال ہے کہ حضرت خضر ولی ہیں۔[3] امام قشیری (۳۷۶ — ۴۶۵ھ / ۹۸۶ — ۱۰۷۲ء) کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی نہیں ولی ہیں[4] امام ماوردی (المتوفی ۴۵۰ھ) کا بیان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ولی ہیں اور ایک رائے یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہیں جو آدمیوں کی صورت اختیار کرتے ہیں[5] لیکن امام نووی کے نزدیک آخری قول جس میں حضرت خضر کو فرشتہ کہا گیا ہے غریب، ضعیف یا باطل ہے[6] ابوالخطاب بن دحیہ (۵۴۴ — ۶۳۳ھ / ۱۱۴۹ — ۱۲۳۵ء) کا قول ہے کہ ہم نہیں جانتے وہ فرشتہ ہیں یا نبی یا بندۂ صالح ہیں[7]۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں۔ امام ثعلبی (المتوفی ۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء) کا کہنا ہے کہ تمام اقوال میں خضر معمر نبی ہیں بلکہ بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خضر کی نبوت کا اعتقاد زندقہ کے عقدہ کا پہلا حل ہے کیونکہ زنادقہ ان کے غیر نبی ہونے کو اس خیال کا ذریعہ بناتے

---

[1] سورۃ الکہف : ۶۰ — ۸۲

[2] صحیح البخاری۔ کتاب العلم، باب مایستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم، الجزء الاول ص ص ۴۱ — ۴۲، کتاب التفسیر سورۃ الکہف، الجزء السادس ص ص ۱۱۰ — ۱۱۷، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضائل الخضر۔

[3] الاصابہ ۲ : ۲۸۹ [4] الاصابہ ۲ : ۲۸۹

[5] الاصابہ ۲ : ۲۸۹، تہذیب الاسماء واللغات ۱ : ۱۷۷، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱ : ۸۵۴

[6] تہذیب الاسماء واللغات ۱ : ۱۷۷، صحیح مسلم بشرح نووی، کتاب الفضائل، فضائل الخضر، حیاۃ الحیوان الکبریٰ ۱ : ۸۵۴

[7] الاصابہ ۲ : ۲۸۹

ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے جیسا کہ ان میں سے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔

مقام النبوۃ فی برزخ　　فویق الرسول و دون الولی[1]

امام نووی نے ان لوگوں کے قول کو ترجیح دی ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی ہیں[2]۔ ابن کثیر (۷۰۱ – ۷۷۴ھ / ۱۳۰۱ – ۱۳۷۲ء) نے خضرؑ کی نبوت پر سورۃ کہف سے چار دلیلیں فراہم کی ہیں[3]۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خضر کی زبانی فرمایا "وما فعلتہ عن امری" اس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام بہ حکم خدا انجام دیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان پر وحی ازی تھی۔ اسی وحی کے مطابق انھوں نے ایک لڑکے کو قتل کیا۔ اگر غیر نبی ہوتے تو انسان کو قتل کرنے کے لیے وحی یا الہام پر عمل کرنا ان کے لیے ضروری نہ تھا اس لیے ان کی نبوت کا انکار ممکن نہیں اور انکار کیسے ممکن ہو اس سے غیر نبی کا نبی سے زیادہ عالم ہونا لازم آئے گا۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا "بلی عبدنا خضر" نیز نبی غیر نبی کا تابع کس طرح ہو سکتا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ – ۸۵۲ھ / ۱۳۷۱ – ۱۴۴۸ء) نے اسی لیے کہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ان کی جو باتیں ہوئیں وہ زیادہ تر اس شخص کے قول کی درستی پر دلالت کرتی ہیں جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی تھے[4]۔ مفسرین میں ابوحیان کہتے ہیں کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی ہیں[5]۔ امام زمخشری (۴۶۸ – ۵۳۸ھ / ۱۰۷۵ – ۱۱۴۳ء) بھی اسی رائے کے قائل ہیں[6]۔ قرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ / ۱۲۷۳ء) اور علامہ آلوسی (المتوفی ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۴ء) بھی ان کی نبوت کے قائل ہیں[7]۔ صحیح رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت خضر نبی تھے البتہ حضرت عبداللہ بن عباس (۳ق ھ – ۶۸ھ / ۶۲۰ – ۶۸۷ء) اور وہب بن منبہ کا قول ہے کہ وہ غیر مرسل نبی تھے[8]

خضر کی حیات کا مسئلہ بھی متنازعہ رہا ہے۔ محدثین کا ایک طبقہ ان کے حیات ہونے

---

[1] الاصابہ ۲: ۲۸۸　　[2] تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷

[3] قصص الانبیاء ۲: ۵۲۲ – ۵۲۳، البدایہ والنہایہ ۱: ۳۲۸

[4] الاصابہ ۲: ۲۹۰　　[5] الاصابہ ۲: ۲۸۹، الزہر النضر ص ۲۸، ۶۸

[6] ابوالقاسم محمود الزمخشری، الکشاف قاہرہ ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء ۲: ۴۹۲　[7] الزہر النضر ص ۲۸، الجامع لاحکام القرآن ۱۱: ۱۶، ۲۹، روح المعانی ۱۵: ۳۲

[8] الاصابہ ۲: ۲۸۸ – ۲۸۹، بعض اہل کتاب کا کہنا ہے کہ حضرت خضر ان کی طرف مبعوث تھے ابوالحسن رُمّانی (المتوفی ۳۸۴ھ) اور علامہ ابن جوزی نے اس کی تائید کی ہے۔ الاصابہ ۲: ۲۸۸ – ۲۸۹، الزہر النضر ص ۶۸۔

کا انکار کرتا ہے جبکہ اکثر علماء اور صوفیا ان کے حیات ہونے کے قائل ہیں۔ احادیث میں خضر کی حیات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس سلسلہ میں جو احادیث بیان کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ امام ابن حزم (۳۸۴ھ – ۴۵۶ھ / ۹۹۴ – ۱۰۶۴ء) نے نظریۂ حیات کو اسرائیلی افکار کے اثرات کا ثمرہ کہا ہے[1]۔ امام ابن قیم (۶۹۱ – ۷۵۱ھ / ۱۲۹۲ – ۱۳۵۰ء) کا کہنا ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں حضرت خضر کی حیات کا ذکر ہے سب کی سب جھوٹی ہیں۔ ان کی زندگی کے متعلق ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے[2]۔ شیخ مجدالدین شیرازی (المتوفی ۸۱۷ھ / ۱۴۱۴ء) کا بیان ہے کہ خضر و الیاس علیہما السلام کی عمر اور اس کی طوالت کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[3]۔ ملا علی قاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۶ء) موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انھیں (موضوعات) میں سے وہ تمام احادیث جو حضرت خضر اور ان کی زندگی سے متعلق ہیں سب کی سب جھوٹی ہیں۔ ان میں ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے[4]۔ ابو الحسین ابن المنادی (المتوفی ۳۳۶ھ / ۹۴۷ء) کا کہنا ہے کہ خضر کی بقاء کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے[5]۔

اس سے خضر علیہ السلام کی حیات کی یکسر نفی بھی نہیں ہوتی۔ صحابہ اور تابعین کے ساتھ خضرؑ کی ملاقات کے متعلق متعدد روایات منقول ہیں۔ ان میں سے اکثر پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے "عجالۃ المنتظر فی شرح حال الخضر" میں ان روایات کو اعتراض کا ہدف بنایا ہے مگر دوسرے محدثین کے نزدیک ان میں سے بعض روایات صحیح بھی ہیں[6]۔

جو علماء حضرتِ خضرؑ کی حیات کے منکر ہیں۔ ان میں امام بخاری (۱۹۴ – ۲۵۶ھ / ۸۰۹ – ۸۶۹ء) محدث ابراہیم حربی (۱۹۸ – ۲۸۵ھ / ۸۱۵ – ۸۹۸ء) امام علی بن موسیٰ رضا (۱۵۶ – ۲۰۸ھ / ۷۷۲ – ۸۲۳ء) ابو الحسن منادی، ابن حزم، ابن جوزی اور ابن قیم شامل ہیں قاضی ابوبکر ابن العربی (المتوفی ۵۴۳ھ / ۱۱۴۸ء) کا بیان ہے کہ

---

[1] امام ابن حزم۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل، دار المعرفۃ بیروت لبنان الطبعۃ الثانیہ ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۵ء (المجلد الثالث) ۴: ۱۸۰

[2] امام ابن قیم الجوزیہ۔ المنار المنیف تحقیق عبد الفتاح ابو غدہ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء ص ۶۷

[3] شیخ مجدالدین شیرازی۔ سفر السعادۃ علی ہامش کشف الغمۃ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ بمصر القاہرہ ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

[4] ملا علی قاری۔ الموضوعات الکبیر، المطبع الرفیع المجتبائی دہلی ۱۳۱۵ھ ص ص ۹۶ – ۹۷

[5] حیات الحیوان الکبریٰ ۱: ۴۸۴۔

[6] حیات الحیوان الکبریٰ ۱: ۸۵۴، قصص الانبیاء ۲: ۵۳۲، ۵۳۹، الاصابہ ۲: ۳۱۹

حضرت خضر علیہ السلام نے پہلی صدی ہجری کے اختتام سے پہلے وفات پائی[1] امام بخاری سے حضرت خضر کے زندہ ہونے کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا "ایسا کس طرح ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔

لایبقی علی رأس مئة سنة ممن	صدی کے خاتمہ پر ان میں سے کوئی باقی
هو الیوم علی ظهر الارض احد[2]	نہیں بچے گا جو اس وقت زمین پر موجود ہیں۔

امام ابراہیم حربی سے بھی منقول ہے کہ خضرؑ وفات پا چکے ہیں[3] ابوالحسین بن المنادی، علی بن موسی الرضا ابویعلی بن القرار الحنبلی (المتوفی ۴۵۸ھ / ۱۰۶۵ء) ابوطاہر بن العبادی ابوالفضل بن ناصر ابوبکر بن محمد بن الحسین النقاش (۲۶۶ - ۳۵۱ھ / ۸۷۹ء) بھی حضرت خضر کی وفات کے قائل ہیں[4]۔
علامہ ابن جوزی نے کہا ہے کہ خضر کے زندہ نہ ہونے پر چار چیزیں دلالت کرتی ہیں (ا) قرآن (ب) سنت (ج) اجماع محققین (د) عقل۔ انھوں نے قرآن کی آیت وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد..... الخ، متفق علیہ حدیث ارائیکم لیلتکم هذه فان علی راس مئة سنة منها لایبقی علی ظهر الارض ممن هو الیوم (علیها) احد اور مسلم کی حدیث "مامن نفس منفوسة یاتی علیها مئة سنة وهی یومئذٍ حیة" سے استشہاد کیا ہے۔ اجماع محققین میں انھوں نے امام بخاری، امام علی بن موسیٰ رضا، امام ابراہیم حربی اور دوسرے علماء کے متعلق لکھا ہے کہ ان سب نے حضرت خضر کے زندہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے دس عقلی دلیلوں سے بھی خضرؑ کی حیات کے تصور کو مسترد کیا ہے[5]۔
ابوحیان کا بیان ہے کہ جمہور کی رائے یہ ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں[6]۔ امام ابن قیم کا کہنا ہے کہ کئی ائمہ سے یہی سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ	ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو دائمی
الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِتَّ فَهُمُ	زندگی نہیں دی۔ اگر آپ وفات پائیں گیا
الْخَالِدُوْنَ[7] (الانبیاء: ۳۴)	یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

---

[1] حیاۃ الحیوان الکبری ۱: ۳۸۴   [2] المنار المنیف ص ۶۸   [3] ایضاً ص ۶۷
[4] الزہر النضر ص ص ۸۶، ۸۹   [5] المنار المنیف ص ص ۶۹-۷۶
[6] الزہر النضر ص ۸۵   [7] المنار المنیف ص ۶۸

امام ابن تیمیہ (۶۶۱ — ۷۲۸ھ / ۱۲۶۳ — ۱۳۲۸ء) سے عام طور پر یہی نقل کیا جاتا ہے کہ وہ حیات خضر کے منکر ہیں[۱] لیکن ان سے ایسی رائے بھی منقول ہے جس میں خضر کی وفات کے قائلین کی دلیل پر گرفت کی گئی ہے[۲]

علماء کی اکثریت کا خیال ہے کہ حضرت خضر زندہ ہیں۔ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے متصل ایک مقام پر پہنچے گا تو ایک صالح انسان اس کے پاس جاکر کہے گا "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم وہی دجال ہو جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے" دجال لوگوں سے کہے گا کہ اگر میں اس شخص کو تمہارے سامنے قتل کر دوں تو کیا تم میرے معاملے میں شک کرو گے۔ لوگ جواب دیں گے "نہیں" اس کے بعد دجال اسے قتل کرے گا پھر اسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ زندہ ہونے کے بعد صالح انسان کہے گا قسم اللہ کی اب تو مجھے تمہارے بارے میں زیادہ یقین ہوا کہ تم ہی دجال ہو۔ پس دجال اسے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا مگر وہ قابو نہیں پائے گا[۳] حدیث کے راوی ابراہیم بن سفیان کا کہنا ہے کہ یہ صالح انسان خضر علیہ السلام ہوں گے[۴] صحیح مسلم کے شارح امام نووی کا بیان ہے کہ اس حدیث سے حضرت خضر علیہ السلام کا حیات ہونا ظاہر ہے[۵] امام ثعلبی کہتے ہیں کہ تمام اقوال کے مطابق خضر علیہ السلام معمر نبی ہیں اور لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں[۶] شیخ ابن الصلاح (۵۷۷ - ۶۴۳ھ / ۱۱۸۱ - ۱۲۴۵ء) کا کہنا ہے کہ جمہور علماء اور صالحین کے نزدیک وہ (خضرؑ) زندہ ہیں۔ عام لوگ بھی انھیں کے ہم رائے ہیں صرف

۱؎ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ مجموع فتاویٰ، جمع و ترتیب عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی النجدی، الحنبلی وابنہ محمد، مکہ/قاہرہ ۱۴۰۴ھ ۲۷ : ۱۰۰۔

۲؎ مجموع فتاوی ۴ : ۳۳۷ - ۳۴۰۔

۳؎ صحیح مسلم بشرح نووی۔ کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱ : ۱۷۷۔

۴؎ صحیح مسلم بشرح نووی۔ کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات : ۱ : ۱۷۷، تاریخ الخمیس ۱ : ۱۲۱۔

۵؎ صحیح مسلم بشرح نووی کتاب الفتن باب ذکر الدجال، تہذیب الاسماء واللغات ۱ : ۱۷۷

۶؎ قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص۲۴۱

بعض محدثین کو اس سے انکار ہے[۱] امام نووی کا بیان ہے کہ جمہور علماء کی رائے ہے کہ وہ ہمارے درمیان زندہ ہیں اور یہ رائے صوفیہ، صلحاء اور عرفاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ خضر کو دیکھنے، ان سے ملاقات کرنے، سوال وجواب کرنے اور پاک اور متبرک مقامات پر ان کی موجودگی کے بارے میں ان کی حکایات اتنی زیادہ اور مشہور ہیں کہ انھیں نہ شمار کیا جاسکتا ہے اور نہ چھپایا ہی جاسکتا ہے[۲]

صوفیہ کے یہاں عام خیال یہ ہے کہ حضرت خضر بقید حیات ہیں۔ شیخ عبداللہ بن اسعد یافعی (المتوفی ۷۶۸ھ / ۱۳۶۶ء) کا عقیدہ تھا کہ خضر زندہ ہیں۔ ان کے سامنے امام بخاری اور ابراہیم حربی کے انکار کا ذکر کیا گیا تو غضبناک ہو کر بولے مجھے اس شخص پر غصہ آتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ان کی وفات ہوئی ہے[۳] ایک بڑے بزرگ کا کہنا ہے کہ جہل کی انتہا یہ ہے کہ کوئی شخص خضر اور الیاس کے وجود کا منکر ہو[۴] مراۃ الاسرار کے مصنف نے بھی الیاس اور خضر علیہما السلام کے وجود کے انکار کو جہل کی انتہا کہا ہے[۵]

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات اور وفات کی تائید میں فریقین نے جو دلائل دئے ہیں ان کا بغور جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حیات کے منکرین کے دلائل میں وزن نہیں ہے۔ انھوں نے قرآن حکیم کی آیت "وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد افان مت فهم الخلدون" سے استدلال کیا ہے لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے آیت کریمہ میں عام انسانوں کے بقائے دوام کی نفی کی گئی ہے۔ معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث کیے گئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی موت موخر کر کے انھیں آسمان پر اٹھا لیا۔ جس طرح آیت کریمہ سے حضرت عیسیٰ کی موت پر دلیل لانا صحیح نہیں ہے اسی طرح حضرت خضر یا حضرت الیاس کی موت پر استدلال کرنا درست نہیں

---

[۱] ابن الصلاح - فتاوی ابن الصلاح، القاہرہ ۲۸، تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۷، صحیح مسلم بشرح نووی کتاب الفضائل، فضائل الخضر، حیات الحیوان الکبری ۱: ۳۸۴

[۲] تہذیب الاسماء واللغات ۱: ۱۷۶ - ۱۷۷

[۳] الزہر النضر ص ۱۶۱

[۴] رسالہ ابدالیہ ص ۲۸

[۵] مراۃ الاسرار ۱: ۳۵

ہے۔ احادیث رسولؐ میں سے منکرین حیات نے متفق علیہ حدیث "فان علی راس مئۃ سنۃ لا یبقی علی ظہر الارض ممن ھو الیوم (علیہا) احد" اور مسلم میں اسی مضمون کی حدیث "مامن نفس منفوسۃ یاتی علیہا مئۃ سنۃ وھی یومئذٍ حیۃ" سے استشہاد کیا ہے، مگر یہ استدلال بھی کمزور ہے۔ ممکن ہے حضرت خضر اس وقت زمین پر نہیں سمندر یا دریا میں کسی کشتی پر رہے ہوں گے۔ صحیحین کی روایات میں دجال اور جساسہ کا ذکر بالتفصیل موجود ہے۔ دونوں عہد نبوی میں موجود تھے اور آج تک زندہ ہیں۔ جب ان کی موت پر ان احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا تو حضرت خضر کی موت پر ان سے استدلال کرنا کیسے درست ہے۔ ہماری اس رائے کی تائید خود امام ابن تیمیہ کے ایک فتویٰ سے بھی ہوتی ہے[۱]۔ علامہ ابن جوزی نے حضرت خضر کی حیات کے انکار میں جو دس عقلی دلیلیں دی ہیں ان میں بھی کوئی جان نہیں ہے۔ پھر حضرت خضر سے بے شمار لوگوں کی ملاقات کے واقعات صحیح طریقوں سے منقول ہیں انھیں روایت یا درایت کے کسی اصول سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ خود کبار محدثین نے کثرت طرق کے ساتھ انھیں نقل کیا ہے ان دلائل کی روشنی میں حضرت خضر کا حیات ہونا اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔

تصوف میں حضرت خضر کا مقام و مرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ صوفیہ کو ہر دور میں ان کی ذات سے دلچسپی یا ان کی تلاش و جستجو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کی کتابوں میں کسی نہ کسی صورت میں ان کا ذکر آتا ہے۔ ان کے بارے میں کتب تصوف میں جو تفصیلات آتی ہیں وہ ایک بحث طلب موضوع ہیں۔ لیکن موضوع کی مناسبت سے صوفیہ کے افکار و واقعات کا ذکر ضروری ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ حضرت خضر کا تعلق اولیاء اللہ کے اس طبقہ سے ہے جو "مفردان" کہلاتا ہے۔ بعثت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بھی "مفردان" سے تھا[۲]۔ ابدال کی طرح چونکہ حضرت خضر بھی عام لوگوں سے اوجھل رہتے ہیں اس لیے انھیں "رئیس الابدال" کہا جاتا ہے[۳]۔ بعض صوفیہ انھیں "نقیب الاولیا" کہتے ہیں۔ صوفیہ

---

[۱] مجموع فتاویٰ ۴ : ۳۳۹ - ۳۴۰

[۲] محمد دارا شکوہ، سفینۃ الاولیا، مطبع نولکشور کانپور بار دوم ۱۹۰۰ء ص ۵۷

[۳] امام غزالی، احیاء علوم الدین، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ بمصر القاہرہ ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء ۱ : ۲۴۷

کے بقول ان کے ساتھ بڑی عمر کے دس بزرگ ہوتے ہیں، یہ لوگ حضرت خضر کی خدمت کرتے ہیں۔ خاص طور پر بیماری میں ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔[1]

صوفیہ کے بیان کے مطابق حضرت خضر لوگوں کی تعلیم و تادیب کے لیے مقرر ہیں۔ اس سلسلہ میں مولانا یعقوب چرخی کہتے ہیں کہ ابتدائے حال میں میرے دل میں حصول تعلیم کے لیے سفر کا شوق پیدا ہوا لیکن اسباب میسر نہ تھے چنانچہ میں متوجہ ہوا تو خواب میں خواجہ خضر کو فرماتے ہوئے سنا کہ حصول علم کے لیے نکلو جہاں اور جب حاجت پیش آئے مجھے یاد کرنا۔ میں نے یہی کیا بعد میں مجھے تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ خواب رحمانی تھا۔[2] شیخ عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸ھ - ۹۷۳ھ / ۱۴۹۲ - ۱۵۶۵ء) کا کہنا ہے کہ حضرت خضر مشائخ سے حالت بیداری میں ملاقات کرتے ہیں اور مریدوں کو خواب میں آکر تصوف کی تعلیم دیتے ہیں کیونکہ وہ لوگ حالت بیداری میں خضر کے دیدار کی تاب نہیں لا سکتے۔[3] حضرت خضر سے ملاقات کے لیے ضروری ہے کہ صوفی کل کے لیے کوئی خیرا اٹھا نہ رکھے۔[4]

تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لیے مخصوص عبادات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاء (۶۳۵ھ - ۷۲۵ھ / ۱۲۳۷ - ۱۳۲۴ء) نے اس مقصد کے حصول کے لیے ایک خاص نماز "صلوٰۃ الخضر" کا ذکر کیا ہے۔ دس رکعت پر مشتمل صلوٰۃ الخضر پانچ سلاموں کے ساتھ ظہر کی نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آخری دس سورتوں کی قرآت کی جاتی ہے۔[5] شیخ کا کہنا ہے کہ جو شخص اس نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے گا اس کی ملاقات حضرت خضر کے ساتھ ضرور ہو گی۔[6]

= شاہ ولی اللہ دہلوی - النوادر مشمولہ المسلسلات مکتبہ یحیویہ سہارنپور ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۵ء ص ۵۔

[1] رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

[2] رسالہ ابدالیہ ص ۲۸ - ۲۹

[3] شیخ عبدالوہاب شعرانی - تنبیہ المغترین المطبعۃ المیمنیہ مصر ۱۳۱۰ھ / ۱۳۲۲ء ص ۵۴

[4] تنبیہ المغترین ص ۵۴ -

[5] امیر حسن علا سجزی - فوائد الفواد مطبع نولکشور لکھنؤ بار چہارم ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء ص ۲۱

[6] فوائد الفواد ص ۲۱ -

شیخ قطب الدین بختیار کاکی (۵۸۳ – ۶۳۴ھ / ۱۱۸۷ – ۱۲۳۶ء) کے آبائی قصبہ اوش کی ایک غیر آباد مسجد کے بارے میں مشہور تھا کہ اس میں جو کوئی ایک مخصوص دوگانہ ادا کرتا ہے اس کی ملاقات حضرت خضر سے ہوتی ہے۔[۱] چنانچہ شیخ قطب الدین بختیار کاکی نے ماہ رمضان کی ایک رات اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور اس کے بعد مسجد کے منارے پر جسے ہفت منارہ کہتے تھے ہفت دعا (ایک خاص دعا) پڑھی۔ اسی رات انھیں اس مسجد میں حضرت خضر کے پیچھے نماز تراویح پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔[۲]

حضرت خضر کے ساتھ صوفیہ کی ملاقاتوں کا تذکرہ ادب تصوف میں عام ہے۔ بہت سے بزرگوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انھیں حضرت خضر سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ بعض صوفیہ نے ان سے خرقۂ طریقت پایا ہے اور بعض کو مخصوص اوراد و وظائف بھی ملے۔ شیخ محمد بن علی المعروف بہ حکیم ترمذی (المتوفی ۳۲۰ھ / ۹۳۲ء) کے بارے میں ان کے مرید شیخ ابوبکر وراق (المتوفی ۳۴۷ھ / ۹۵۸ء) بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر ہر اتوار کو ان سے ملنے آیا کرتے تھے۔ دونوں میں تبادلہ خیال ہوتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کا حال پوچھتے تھے۔[۳] شیخ ابوبکر کتانی (المتوفی ۳۲۲ھ / ۹۳۴ء) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت خضر کے مصاحبین میں سے تھے۔[۴] بعض بزرگوں کے بارے میں آیا ہے کہ انھوں نے خرقۂ طریقت حضرت خضر سے پایا ہے۔[۵] شیخ محی الدین ابن عربی کو بھی حضرت خضر سے خرقۂ طریقت ملا تھا۔[۶] بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ انھوں نے اوراد و وظائف کی تعلیم حضرت خضر سے پائی ہے مثلاً شیخ ابراہیم التیمی (المتوفی ۹۲ھ / ۷۱۰ء) کو حضرت خضر نے مسبعات عشر (ایک مخصوص تسبیح) کی تلقین کی اور آخر میں کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ

۱۔ فوائد الفواد ص ۱۲۳، سید محمد بن مبارک علوی کرمانی۔ سیر الاولیا اسلام آباد / لاہور ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء ص ۶۱

۲۔ سیر الاولیا ص ۶۱

۳۔ شیخ ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الہجویری۔ کشف المحجوب اسلام آباد ۱۹۷۸ء ص ۱۲۹، سفینۃ الاولیا بذیل تذکرہ حکیم ترمذی

۴۔ سفینۃ الاولیا ص ۱۲۶

۵۔ J.S.Trimingham - The Sufi orders in Islam, Oxford University press 1973 P.P. 42, 63, 114, 262, 279

۶۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ نفحات الانس، مطبع نولکشور کانپور ۱۸۹۳ء ص ۳۵۷، سفینۃ الاولیا ص ۶۷

علیہ وسلم نے اس کی تعلیم دی ہے[۱] شیخ ابراہیم بن ادہم (المتوفی ۱۶۲ھ/۷۷۹ء) کو حضرت خضر نے اسم اعظم سکھایا اور چند نصیحتیں کیں[۲] ایک اور بزرگ کا بیان ہے کہ طریقۂ شاذلیہ کے اذکار و اوراد انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ خضر ملے جبکہ دونوں ان کے سامنے متشکل ہوئے تھے[۳]

صوفیہ کے یہاں حضرت خضر کی شناخت کا مسئلہ چنداں دشوار نہیں ہے بعض بزرگ انھیں دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی (۴۷۱-۵۶۱ھ/۱۰۷۸-۱۱۶۶ء) ایک روز منبر پر علوم و معارف بیان کر رہے تھے کہ وہاں سے حضرت خضر گزرے۔ انھیں دیکھ کر شیخ جیلانی نے کہا "اے اسرائیلی آؤ اور ایک محمدی کا کلام سن لو"[۴] بعض عارفین نے ان کی شناخت کی نشانی یہ بتائی ہے کہ ان کے ہاتھ کی بیچ والی انگلی دوسرے لوگوں کی انگلی کی طرح لمبی نہیں بلکہ انگشت شہادت کے برابر ہے۔ ایک اور رائے یہ ہے کہ ان کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے میں ہڈی نہیں ہے چنانچہ مصافحہ کرتے وقت جو لوگ ملاقاتی کا انگوٹھا دبا دیتے ہیں وہ حضرت خضر کی شناخت کے لیے ایسا کرتے ہیں۔

حدیث و تصوف کی کتابوں میں حضرت خضر کے خدوخال اور ان کے اخلاق و عادات کے بارے میں جو تفصیلات ملتی ہیں۔ ان کے مطابق حضرت خضر دراز قامت، کبیر ہامت اور باریک سر ہیں[۵] سر اور داڑھی کے بال سفید ہیں۔ ان کے جسم کی ہڈیاں بڑی بڑی شانے چوڑے اور سینہ کشادہ ہے[۶] ایک اور روایت کے مطابق حضرت خضر بلند قامت امردوش، سبزی مائل، درازمو، تنگ عارض، کشادہ ابرو، ہاتھ پاؤں

۱ھ احیاء علوم الدین ۱: ۳۴۶، شیخ عبدالرؤف المناوی، الکواکب الدریہ تصحیح محمود حسن ربیع مصر ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء ۱: ۴۷

۲ھ الکواکب الدریہ ۱: ۱۷۴، کشف المحجوب ص ۹۷

۳ھ ابومحمد عبدالاحد۔ اوراد الصوفیہ، خلافت پریس بمبئی ص ۱۶-۱۷

۴ھ شیخ مجدد الف ثانی۔ المنتخبات من المکتوبات مکتوب ۵۲ استنبول ترکی ۱۹۷۸ء ص ۱۵۱، بعض علماء کے نزدیک شیخ جیلانی کا یہ کلام حضرت خضر کے اسرائیلی ہونے کی دلیل ہے لیکن یہ رائے محل نظر ہے کیونکہ موسیٰ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث تھے اور حضرت خضر ان کے متبعین میں سے نہیں تھے۔ دیکھئے مجموع فتاوی ۱۱: ۴۲۵، ۴۲۶، عبداللہ بن شوذب کا قول ہے کہ خضر اولاد فارس سے اور الیاس بنی اسرائیل سے ہیں۔ دیکھئے قصص الانبیاء المسمی بالعرائس ص ۲۲۱، تاریخ الطبری ۱: ۲۲۰، الکامل فی التاریخ ۱: ۱۶۰

۵ھ رسالۂ ابدالیہ ص ۲۹ ۶ھ الاصابہ ۲: ۳۱۱

قدرے سخت، نرم خو، غمزہ بسام، کم التفات، سبک گام، کوتاہ جامہ، کہنہ دستار، درشت جامہ، بے تکلف اور بے رعونت ہیں۔ اچانک نمودار ہوتے ہیں معلوم نہیں ہوتا کہاں سے آئے اس طرح غائب ہوتے ہیں کہ پتہ نہیں چلتا کہاں گئے[1] ان کا لباس ایک ازار اور ایک چادر ہے جو کبھی بوسیدہ نہیں ہوتے[2] ایک روایت کے مطابق وہ محرم کی طرح دو موٹے کپڑوں میں ملبوس ہوتے ہیں[3]

صوفیہ کا بیان ہے کہ حضرت خضر بازار میں گھوم کر کوئی چیز خریدتے ہیں اور پھر اسے بیچتے ہیں[4] وہ دلالوں کے بھیس میں ہوتے ہیں اور دلالی کر کے اجرت لیتے ہیں[5] ایک بیان میں کہا گیا ہے کہ حضرت خضر بیت المقدس میں باب الرحمۃ اور باب الاسباط کے درمیان رہتے ہیں[6] بخارا کے مشائخ کا بیان ہے کہ ماہ رجب کی پہلی جمعہ کو حضرت خضر بخارا میں ہوتے ہیں۔ اس خوشی میں بخارا اور سمرقند والے اس دن تہوار مناتے ہیں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور اس امید میں ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تاکہ حضرت خضر کو پاسکیں[7]

مولانا یعقوب چرخی کے بقول حضرت خضر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہیں نیز ان کے مطابق حضرت خضر و حضرت الیاس جملہ اولیاء غیب وشہادت اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ہیں[8] مراۃ الاسرار میں تصوف کی ایک مشہور کتاب عروہ کے حوالہ سے آیا ہے کہ اس زمانہ میں (۷۲۱ھ جب عروہ لکھی جا رہی تھی) حضرت خضر، قطب اور ابدال امام شافعی کے مسلک کے مطابق نماز ادا کرتے تھے۔ شیخ مجدد الف ثانی (۹۷۱ — ۱۰۳۴ھ / ۱۵۶۴ — ۱۶۲۴ء) نے ایک مرتبہ حضرت خضر سے پوچھا کہ کیا آپ امام شافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ / ۷۶۷-۸۲۰ء) کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ ہم شرائع کے ساتھ نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے ذمہ ہیں اور قطب مدار امام شافعی کے مذہب پر ہے اس لیے ہم اس کے پیچھے

---

[1] سید مظفر علی شاہ۔ جواہر غیبی، مطبع نولکشور ۱۸۹۸ء ص ۲۵۲
[2] الکواکب الدریہ ۱: ۲۳۹ [3] الاصابہ ۲: ۳۱۱
[4] رسالہ ابدالیہ ص۳۳ [5] رسالہ ابدالیہ ص۳۳، مراۃ الاسرار ۱: ۳۵
[6] تاریخ الخمیس ۱: ۱۲۱ [7] رسالہ ابدالیہ ص۳۳-۳۴
[8] مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی۔ کراچی / استنبول ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء مکتوب ۲۸۲ ۱: ۵۲۲، ۵۲۳

امام شافعی کے مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں[۱]

ادب تصوف میں حضرت خضر کے اخلاق و عادات کے بارے میں اور بھی تفصیلات ملتی ہیں جنھیں بخوف طوالت اس وقت نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت خضر کے معمر نبی اور بقید حیات ہونے کے حق میں مضبوط دلائل ہیں۔ آپ کو حضرت موسیٰ کی امت میں شامل ماننا ضروری نہیں کیوں کہ بنی اسرائیل سے آپ کا تعلق ثابت نہیں۔ سورہ کہف میں ان کے واقعہ سے یہ دلیل بھی نہیں لائی جاسکتی کہ کوئی شخص انبیاء کی لائی ہوئی شریعت سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔ یوں بھی حضرت موسیٰؑ کی بعثت بنی اسرائیل کے لیے خاص تھی لہٰذا حضرت خضر کے لیے ان کا پیروکار ہونا ضروری نہ تھا۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے لیے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے عام ہے۔ حضرت خضر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض صوفیہ نے انھیں مسلک شافعی کا پیروکار بتایا ہے۔ اسی طرح آب حیات یا چشمہ حیوان کے تصور کو بھی شاعری کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ مفسرین، محدثین، مورخین کی ایک جماعت اور صوفیہ نے اسے ایک امر واقعہ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ بحث کے آخر میں یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر کی وفات یا حیات کا مسئلہ ایمانیات یا عقائد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ایمان وعقیدہ کی اساس محکمات پر ہوتی ہے۔ قرآن وسنت میں جناب خضر کی حیات یا وفات کے متعلق ایسی کوئی خبر نہیں ہے جسے محکمات کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

---

[۱] مجدد الف ثانی۔ مکتوبات امام ربانی۔ کراچی / استانبول ۱۳۹۷ھ / ۱۹۷۷ء مکتوب ۲۸۲ ۱: ۵۲۳، ۵۲۲

عہدِ نبویؐ کے غزوات وسرایا

ڈاکٹر رؤفہ اقبال صاحبہ نے اس تصنیف میں اسلام کے نظریہ جہاد پر اسلامی موقف کی بے لاگ ترجمانی کی ہے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا مسکت اور مدلل جواب دیا ہے۔

آفسٹ کی طباعت۔ صفحات ۲۲۷ قیمت ۲۵ روپئے

ملنے کا پتا: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی۔ پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲